اکائی 10 باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کا تقابلی مطالعہ

ساخت

10.1 اغراض و مقاصد

10.2 تمہید

10.3 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کا تعارف

10.3.1 'باغ و بہار'

10.3.2 'فسانۂ عجائب'

10.3.3 میر امن اور رجب علی بیگ سرور

10.4 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کا اسلوب

10.4.1 'باغ و بہار' کا اسلوب

10.4.2 'فسانۂ عجائب' کا اسلوب

10.5 باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کا تقابلی مطالعہ

10.6 آپ نے کیا سیکھا

10.7 اپنا امتحان خود لیجیے

10.8 سوالوں کے جوابات

10.9 فرہنگ

10.10 کتب برائے مطالعہ

10.1 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں آپ

- 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔
- میر امن اور رجب علی بیگ سرور کی داستان نگاری سے متعارف ہوں گے۔
- 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کے اسالیب کو جان سکیں گے۔
- 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کے اسلوب کا تقابلی مطالعہ کریں گے۔
- 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' میں جس معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے اس سے بھی متعارف ہوں گے۔

10.2 تمہید

اردو میں افسانوی نثر کی ابتدا داستانوں سے ہوتی ہے، داستانوں کی عہد حاضر میں اہمیت کی ایک بڑی وجہ اس

میں اپنے عہد کی زبان اور معاشرت کا بیان ہے۔ ہر داستان اپنے زمانے کے اسلوب اور تہذیب کی عکاس ہے۔ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب میں جس قدر مفصل تہذیب کا عکس نظر آتا ہے، کسی اور صنف ادب یا تاریخ میں کم دکھائی دیتا۔ اسلوب کے اعتبار سے دونوں داستانیں مختلف ہیں۔

10.3 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کا تعارف

10.3.1 باغ و بہار:

''باغ و بہار'' فورٹ ولیم کالج میں لکھی جانے والی ایک اہم داستان ہے، جس کے مؤلف میرامن دہلوی ہیں۔ ''باغ و بہار'' اپنے سلیس اور سادہ اسلوب اور دہلوی تہذیب کے مرقعوں کے لیے مشہور ہے، ''باغ و بہار'' اس کا تاریخی نام ہے، جس سے ۱۲۱۷ھ نکلتا ہے۔ ''باغ و بہار'' پہلی بار ۱۸۰۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ''باغ و بہار'' کا قصہ محمد شاہ کے زمانے میں فارسی میں لکھا گیا، ''باغ و بہار'' انیسویں صدی میں بھی بہت مقبول رہی اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس کے اردو میں نہ صرف متعدد ایڈیشن شائع ہوئے بلکہ مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے، ''باغ و بہار'' کا قصہ اگرچہ پرانا تھا لیکن میرامن کے سلیس اور بامحاورہ انداز بیان نے اسے نیا رنگ و روپ دے کر تاریخ ادب اردو کا ایک اہم قصہ بنا دیا۔

10.3.2 فسانۂ عجائب:

اردو کی چند نمایاں داستانوں میں سے ایک ''فسانۂ عجائب'' ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم حصہ بن گئی ہے۔ تحسین نے ''نوطرز مرصّع'' کی شکل میں اردو نثر کو جو انداز بیان دیا تھا۔ ''فسانۂ عجائب'' اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کی اہمیت اس کے اسلوب میں پوشیدہ ہے، اپنے مسجّع، مقفّیٰ اور مرصّع انداز بیان کی وجہ سے سرور ''باغ و بہار'' کے مصنف میرامّن کے ادبی حریف بھی سمجھے جاتے ہیں ''فسانۂ عجائب'' کی تالیف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۱۲۴۰ھ میں سرور اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وقت گذاری کے لیے کسی دوست نے اُن سے کسی قصے کی فرمائش کی۔ سرور نے ایک قصہ بیان کیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک قتل کے الزام میں انھیں جلاوطن کر دیا گیا۔ سرور کو لکھنؤ چھوڑ کر کانپور جانا پڑا۔ لکھنؤ اور دوستوں کی جدائی کے غم کو فراموش کرنے کے لیے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور اسی سال یعنی 1240ھ بمطابق 1824 میں ''فسانۂ عجائب'' کو تصنیف کیا۔ ''فسانۂ عجائب''، رجب علی بیگ سرور کا طبع زاد قصّہ ہے، لیکن اس عہد میں رائج دوسرے قصوں سے مختلف نہیں ہے۔

10.3.3 میرامن اور رجب علی بیگ سرور:

میرامن دہلی کے رہنے والے تھے، میرامن کی ولادت اور وفات کا علم کسی تذکرہ یا کتاب سے معلوم نہیں ہوتا، اندازے کے مطابق کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۷۴۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰۶ء میں انتقال ہوا۔ ۹۹-۱۷۹۸ء میں میرامن روزگار کی تلاش میں تنہا کلکتہ پہنچے اور نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم خاں کے اتالیق مقرر ہوئے، دو سال تک وہاں ملازمت کی۔ پھر میر بہادر علی حسینی کے ذریعہ ڈاکٹر جان گل کرسٹ تک پہنچے اور فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کی۔ میرامن نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دوران ''باغ

وبہار'' اور ''گنج خوبی'' دو کتابیں لکھیں۔ ''باغ و بہار'' قصہ چار درویش'' اور ''گنج خوبی'' ''اخلاق محسنی'' کا اردو ترجمہ ہے۔

سرور لکھنؤ میں 1200ھ بمطابق 1786 کے آس پاس پیدا ہوئے۔ مرزا اصغر علی بیگ اُن کے والد کا نام تھا۔ سرورؔ کے خاندان کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتیں۔ مخمورؔ اکبر آبادی نے سرورؔ کا آبائی وطن اکبر آباد لکھا ہے، لیکن اس کا کوئی واضح ثبوت دستیاب نہیں ہے۔ اس عہد کے رواج کے مطابق سرورؔ نے بھی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، سرورؔ کے ادبی سفر کا آغاز ''فسانۂ عجائب'' (1240ھ) سے ہوتا ہے اور اس کے بعد ''شگوفہ محبت''، ''گلزار سرور''، ''شبستان سرور'' جیسی داستانیں اُن کا قلم تحریر کرتا ہے۔ ''شرر عشق'' کے نام سے سرورؔ نے ایک مختصر قصہ بھی لکھا۔ ''فسانۂ عبرت'' نام کی کتاب میں سرورؔ نے اودھ کی مختصر تاریخ بیان کی ہے، اس میں اودھ کے آخری چار بادشاہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بہت اہم ہے۔ فارسی کی ایک اور کتاب ''شمشیر خانی'' کو بھی سرورؔ نے ''سرور سلطانی'' کا نام دے کر ترجمہ کیا۔ یہ کتاب سرورؔ کی زندگی کے آخری ایام کی دین ہے۔ اودھ کے نوابوں سے قربت بھی رہی اور ناراضگی بھی۔ ناراضگی کے سبب جلاوطنی کے دن بھی گذارنے پڑے۔ سرورؔ نے اپنی طویل عمر میں لکھنؤ کے نوابوں کا عروج و زوال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ واجد علی شاہ کی حکومت کے بعد سرورؔ کی پریشانی کے دن شروع ہو گئے۔ اُن کی پریشان حالی کو دیکھ کر بنارس کے مہاراجہ بیشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر نے انھیں بلا بھیجا۔ اس وقت ان کی عمر پچھتّر سال تھی۔ بنارس میں سرورؔ نے گیارہ برس قیام کیا۔ پریشانیوں نے ساتھ پھر بھی نہ چھوڑا۔ بالآخر 1286ھ بمطابق 1869 میں تمام پریشانیوں سے آزاد ہو گئے اور بنارس ہی میں دفن کیے گئے۔

10.4 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کا اسلوب

10.4.1 'باغ و بہار' کا اسلوب:

''باغ و بہار'' کے منظر عام پر آنے کے بعد اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی جو آج بھی برقرار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میر امّن نے اسے اپنی ''مادری زبان'' میں تحریر کیا اور ان کی مادری زبان وہ زبان تھی جو دہلی کی جامع مسجد کے اطراف میں بولی جاتی تھی۔ سچ یہ ہے کہ دہلی اور اس کے اطراف میں بولی جانے والی زبان ہی اصل اردو تھی اور اس وقت ہندوستان پر آہستہ آہستہ قابض ہونے والی قوم یعنی انگریز مرکز کی اس زبان کو سیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ جہاں اہل زبان کو محض اس لیے رکھا گیا کہ وہ انگریزوں کے لیے ہندوستان میں مقبول کتابوں کو بزبان ہندوی اس انداز سے لکھیں کہ جن سے انگریز نہ صرف زبان سیکھ سکیں بلکہ یہاں کی تہذیب و معاشرت سے بھی واقف ہو جائیں، اسی لیے میر امّن کو حکم ملا تھا:

> ''اس قصّے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں، جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان، عورت مرد، لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں، ترجمہ کرو، موافق حکم حضور کے، میں نے بھی اس محاورے سے لکھنا شروع کیا، جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔''

میرامّن نے حکم کے موافق کام انجام دیا جب کہ اس عہد میں نثر کا یہ اسلوب رائج نہیں تھا۔ ابتدائی دور ہونے کے سبب نثر پر فارسیت غالب تھی جس کی مثال ''نوطرز مرصّع'' کی شکل میں نظر آتی ہے، لیکن ''باغ و بہار'' ایک ضرورت کے تحت لکھی گئی، اس لیے اس میں دانستہ طور پر سلیس اور سادہ زبان کا استعمال کیا گیا۔ ''باغ و بہار'' میں وجہ تالیف یوں بیان کی گئی ہے:

> ''صاحبان ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو زبان سے واقف ہو کر، ہندوستانیوں سے گفت و شنود کریں اور ملکی کام کو بہ آگاہی تمام انجام دیں، اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال، بموجب فرمایش کے تالیف ہوئی۔''

میرامّن سے اردو نثر کا ایک نیا اسلوب شروع ہوتا ہے۔ ان سے قبل ''نوطرز مرصّع'' کو نثر کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ ''باغ و بہار'' کی اشاعت کے بعد اردو نثر عوام کے قریب آئی یا عوامی لگنے لگی۔ خود میرامّن ''باغ و بہار'' کی زبان کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو کی، ہندو مسلمان، مرد عورت اور آپس میں بولی جانے والی زبان بتاتے ہیں۔ بول چال اور تحریر کی زبان الگ الگ ہوتی ہے۔ بول چال میں عام فہم اور چھوٹے چھوٹے فی البدیہہ جملے استعمال کیے جاتے ہیں اور تحریر میں الفاظ کی نشست و برخاست کو ذہن میں ترتیب دے کر قلمبند کیا جاتا ہے۔ ''باغ و بہار'' کی زبان تحریری معلوم ہی نہیں ہوتی، اس میں منہ سے نکلے ہوئے بے ترتیب الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں قصہ بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے میرامّن مجمع کے روبرو قصہ سنا رہے ہیں اور کوئی کاتب اِسے لکھتا جا رہا ہے۔ میرامّن کی نثر کی یہی خوبی اُسے زندہ جاوید کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے ان کی نثر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''انھوں نے اپنی کتاب آسان اور بامحاورہ زبان میں اس وقت لکھی جب کہ فارسی اور عربی الفاظ کی شدت، قافیہ پیمائی، رنگین بیانی ہی کو قابلیت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ سلیس نگار کو کم علم جان کر کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ امّن نے روزمرہ اور محاورے کی نظر فریب کیاریوں کے سامنے عربیت کی سنگلاخ زمین کو ہیچ جانا..... باغ و بہار ان چند کتابوں میں سے ہے جن کی زبان اور طرز بیان ان کے نفس مضمون سے بھی زیادہ اہم ہے۔ یہ ایک اسلوب کی نمائندہ ہے، حالانکہ اس کی کوئی تقلید نہ کر سکا پھر بھی باغ و بہار کے باغ پر ہمیشہ بہار رہی ہے اور رہے گی۔''

میرامّن نے اردو کو ایک نیا اسلوبِ نثر دیا، انھوں نے تقریر کی زبان کو تحریر کی شکل عطا کی۔ ان کے پاس عوام و خواص میں بولی جانے والی زبان کے الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ انھوں نے بہت سے ایسے الفاظ ''باغ و بہار'' میں استعمال کیے جو دہلی اور اُس کے آس پاس بولے جاتے ہوں گے، لیکن کسی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ آج بھی بہت سے لوگ بول چال میں بعض ایسے لفظ استعمال کرتے ہیں جن کی کوئی کتابی سند نہیں ملتی۔ میرامّن کی پوری کوشش رہی ہے کہ عوام کے بیچ مستعمل زبان اور محاورے ہی ''باغ و بہار'' کے بیان میں بیان کیے جائیں۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ ''میں نے بھی اُسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔'' میرامّن کا یہی انداز اُن کی خصوصیت بن گیا۔ یہ اسلوب ان کے نام سے پہچانا جانے لگا۔ انتہائی درجہ کی سادگی اور عوامیت کبھی کبھی عامیانہ پن پر آجاتی ہے اور اُس فن پارے کی ادبیت پر اثر انداز ہوتی ہے، لیکن میرامّن سادگی، سلاست اور روزمرّہ کے استعمال کے ساتھ ساتھ ''باغ و بہار'' کی ادبیت کو بھی قائم رکھتے ہیں۔ وہ فارسی الفاظ، تراکیب، تشبیہات اور استعارات کا بھی استعمال کرتے ہیں، لیکن اس انداز سے کہ وہ اُن کے مخصوص اسلوب کو زیر بار نہ

کرے۔ اُن کا اسلوب کہیں بھی ''فسانۂ عجائب'' کے اسلوب سے میل کھاتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ یہی میر امّن کی انفرادیت ہے، وہ اپنی انفرادیت کو ابتدا تا آخر برقرار رکھتے ہیں۔ میر امّن کا قصّہ کہیں سے بھی پڑھ لیجیے ان کے اسلوب کی سادگی اور سلاست ہر جگہ یکساں نظر آتی ہے۔ ان کی زبان کی لطافت اور حلاوت پڑھنے والے کے دل کو چھوتی چلی جاتی ہے۔ میر امن کے بیان میں اس قدر روانی ہے کہ کہیں رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ قصہ خود بخود آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ میر امن کو ہر طبقہ کی زبان اور لہجہ سے اچھی واقفیت تھی۔ وہ کردار کے لحاظ سے زبان کا استعمال کرتے تھے۔ عورتوں اور مردوں کی گفتگو کا انداز ہر جگہ مختلف نظر آتا ہے۔ ''باغ و بہار'' میں جگہ جگہ محاورے اور کہاوتیں نظر آتی ہیں۔ بہت سے ایسے الفاظ بھی ہیں جو اب متروک ہو چکے ہیں، بقول ان کے کہ دلّی کے رہنے والے ہیں اور ان کی زبان ٹھیٹ دلّی کی زبان ہے۔

10.4.2 'فسانۂ عجائب' کا اسلوب:

''فسانۂ عجائب'' کا امتیاز اس کے اسلوب اور معاشرت کے بیان ہی میں مضمر ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کا طرز بیان ''نوطرز مرصّع'' سے مختلف ہے۔ ''نوطرز مرصّع'' کے انداز میں ابتدا تا آخر تقریباً یکسانیت ہے، یعنی دقیق الفاظ، نامانوس تراکیب، تشبیہات اور استعارات کی بہتات ہر جگہ موجود ہے، اس کے برعکس ''فسانۂ عجائب'' میں عام طور پر ہر باب کے ابتدائی پیراگراف میں سرورؔ مقفّیٰ، مرصّع، مسجّع نثر اور فارسی تراکیب کا استعمال ضرور کرتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر میں سادگی کی طرف گامزن ہو جاتے ہیں۔ وہ زیادہ دور اور دیر تک مصنوعی نثر نہیں لکھتے۔ اسے قصہ گو کی خوبی بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ قصے کی ابتدا پُرشکوہ انداز میں کر کے نہ صرف سامعین کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے، بلکہ اپنی علمیت اور لیاقت کا بھی مظاہرہ کرتا ہے، اس کے بعد وہ قصے کو عام فہم زبان دے دیتا ہے تاکہ قصّے میں سامعین کی دلچسپی برقرار رہے وہ زبان کے پیچ و خم میں نہ الجھیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین تو ''فسانۂ عجائب'' کی عظمت کا راز ہی اس کے مرصّع اسلوب میں بتاتے ہیں۔ سرور نے بار بار اپنی تحریر کو پرکھا اور سنوارا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی نثر سرورؔ کے نزدیک سہل ممتنع ہے۔ بلاشبہ اس عہد میں سہل ممتنع کی یہی صورت رہی ہوگی۔ سرورؔ لکھتے ہیں:

> ''نظر ثانی میں جو لفظ دقّت طلب غیر مستعمل عربی، فارسی کا مشکل تھا، اپنے نزدیک اُسے دور کیا اور کلمہ سہل ممتنع محاورے کا تھا، رہنے دیا۔ دوست کی خوشی سے کام رکھا۔''

''فسانۂ عجائب'' کا اسلوب اپنے اندر ادبیت لیے ہوئے ہے۔ سرورؔ بالکل عامیانہ سطح پر نہیں اترتے، کیونکہ ان کے قارئین کا تعلق سطحی لوگوں سے نہیں ہے، اس عہد کے تعلیم یافتہ طبقہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ ''فسانۂ عجائب'' اس طبقہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ سرورؔ داستان کی عبارت کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے بار بار اسے سنوارتے ہیں۔ ان کی متعدد بار کی اصلاح سے ''فسانۂ عجائب'' میں روانی اور سلاست پیدا ہو جاتی ہے، کہیں پیچیدگی اور ابہام نظر نہیں آتا۔ ''فسانۂ عجائب'' کے اسلوب پر ڈاکٹر مسیح الزماں کا یہ تبصرہ بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے:

> ''سرورؔ کا کمال اور ان کے فن کی کامیابی یہ ہے کہ مروّجہ پابندیوں کے باوجود ان کی عبارت میں ایسی بے ساختگی اور شگفتگی باقی ہے کہ عبارت میں الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک اپنے رنگ کی کتابوں میں ''فسانۂ عجائب'' کو جو امتیاز حاصل ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی عبارت میں تصنع اور تکلف ہونے کے باوجود ایک ایسی شیرینی اور دلکشی ہے کہ آدمی کو اس کے پڑھنے میں الجھن نہیں ہوتی اور زیادہ تر جگہوں پہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص کوشش سے لکھی گئی ہے۔''

''باغ و بہار'' دراصل ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو کے لہجہ میں لکھی گئی ہے، اس لیے اس میں کہیں کہیں بہت عامیانہ پن آ گیا ہے، بلکہ ''باغ و بہار'' میں شاہی خواتین بھی کبھی کبھی انتہائی عامیانہ زبان استعمال کرتی ہیں، جو ان کے شایان شان معلوم نہیں ہوتی۔ واقعی وہ ''دلّی کے روڑے'' معلوم ہوتے ہیں، جبکہ ''فسانۂ عجائب'' کی زبان تحریر کی زبان ہے اور جس کی نوک پلک بار بار درست ہوتی ہے، اسی لیے اس کے لہجہ میں ایک خاص رکھ رکھاؤ، نفاست اور شائستگی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین تو ''فسانۂ عجائب'' کی عظمت کا راز ہی اس کے مرصّع اسلوب میں بتاتے ہیں۔ عام طور پر داستان کے نقادوں نے ''فسانۂ عجائب'' کو سرسری طور سے لیا ہے اور ''باغ و بہار'' کی موجودگی میں اس کو فارسی و عربی آمیز غیر مانوس نثر کہہ کر گزر گئے ہیں۔ اس کی ''عظمت کے راز'' کو خامی بتا کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ ادب کی ہر عہد میں دو سطح ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض اور محض تفنّن طبع کے لیے لکھا جاتا ہے، جس کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس طرح کے ادب کی زبان و بیان کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ آج بھی اس طرح کے ہزاروں ناول لکھے جاتے ہیں۔ ادب کی دوسری سطح معیاری ادب کی ہوتی ہے، جس میں مصنف کا مخصوص اسلوب اور فکر شامل ہوتی ہے۔ یہ ابلی ہوئی سبزی کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کی تخلیق میں تخلیقی کرب شامل ہوتا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی تخلیق ایسے ہی تخلیقی کرب کا نتیجہ ہے۔ مصنف نے بار بار اپنی تحریر کو پرکھا اور سنوارا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی نثر سرورؔ کے نزدیک سہل ممتنع ہے۔ بلاشبہ اس عہد میں سہل ممتنع کی یہی صورت رہی ہوگی۔

10.5 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کا تقابلی مطالعہ

داستان مختلف واقعات یا قصوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ داستان گو اپنی قوت متخیّلہ کے ذریعہ چھوٹے سے قصے کو طویل اور دلچسپ بنا کر اس میں ایسا حسن پیدا کرتا ہے کہ سامعین کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔ کلیم الدین احمد نے داستان کو اسی لیے کہانی کی طویل اور پیچیدہ صنف کہا ہے کہ بہت سے قصوں کو جوڑ کر ایک داستان بنائی جاتی ہے۔ دراصل داستان ایسے دور کی پیداوار ہے جب لوگوں کے پاس وقت کی کمی نہیں تھی، غمِ روزگار اور فکرِ آخرت سے آزاد تھے۔ داستان تفریح و تسکین کا ذریعہ تھی، انسان اپنی جمال پرست فطرت کی آسودگی کے لیے داستان گوئی کا سہارا لیتا تھا۔ داستان کی جمالیاتی فضا سننے والوں کو فرحت بخشتی تھی، وہ اس داستانوی ماحول میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا خواہاں رہتا تھا، جس کے سبب داستان گو داستان کو طول دینے کی کوشش کرتا تھا۔ داستان کی طوالت کسی کو ناگوار نہیں گزرتی تھی، بلکہ اشتیاق بڑھاتی تھی، کیونکہ داستان گو اپنی قوت متخیّلہ سے داستان میں نئے نئے مضامین پیدا کرتا تھا۔ داستان کے حسن کا انحصار ہی داستان گو کی قوت متخیّلہ پر ہے۔ داستان گو طوالت کے لیے داستان میں ضمنی قصوں کو اس فنکاری کے ساتھ شامل کرتا ہے کہ وہ بنیادی قصہ کا حصہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس کی طوالت گراں نہیں گزرتی۔

داستان دراصل بیان کا فن ہے۔ بیان میں وسعت اور خیال کی پرواز کی جو گنجائش ہے، تحریر میں وہ محدود ہو جاتی ہے۔ اردو کی بیشتر داستانیں پہلے کہیں نہ کہیں بیان کی گئیں، بعد میں ضبط تحریر میں آئیں۔ کچھ وقت پہلے تک شہروں، قصبوں اور دیہات میں داستان گوئی یا قصہ گوئی کا عام رواج تھا۔ داستانیں اور مثنویاں محفلوں میں سنائی اور گائی جاتی تھیں۔ ''بوستانِ خیال'' جیسی طویل داستان بھی پہلے میر تقی خیال نے زبانی بیان کی۔ ''فسانۂ عجائب'' بھی سرورؔ نے دوستوں کے درمیان شروع کی۔ بیشتر داستانوں کا خمیر زبانی قصوں سے اٹھایا گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی حکایتوں یا روایتوں کے بیان ہی سے قصہ گوئی یا داستان گوئی کا جنم ہوا۔ قصہ چہار درویش یعنی باغ و بہار بھی پہلے زبانی بیان کی گئی۔ داستان گو ایک خاص طے شدہ آغاز و انجام کو سوچ کر داستان شروع کر دیتا ہے،

لیکن درمیان میں قصّے پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور داستان ایک وسیع دائرے میں پھیل جاتی ہے۔ایک کہانی میں کبھی کبھی سیکڑوں قصّے شامل ہو جاتے ہیں،لیکن قصہ کا تعلق داستان کی بنیادی کہانی سے ضرور ہوتا ہے۔

ہر داستان ایک ہی انداز سے شروع ہوتی ہے۔ ہر داستان کا پہلا کردار کسی ملک یا شہر کا بادشاہ ہوتا ہے جو عام طور پر داستان کی ابتدا اور اختتام پر ہی نظر آتا ہے،اس لیے کہ وہ مرکزی کردار یا داستان کا ہیرو نہیں ہوتا۔داستانوں میں اس کی اولاد یعنی شاہزادے مرکزی کردار ہوتے ہیں۔جن بادشاہوں سے داستانوں کا آغاز ہوتا ہے وہ سبھی عدل وانصاف میں نوشیرواں اور سخاوت میں حاتم بتائے جاتے ہیں۔رعایا ان کے عہد میں انتہائی خوشگوار زندگی بسر کرتی ہے۔سبھی داستان کے آغاز اور ان کے کرداروں میں یکسانیت نظر آتی ہے۔

''اب آغاز قصہ کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اُس کی ذات میں تھی۔نام اس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو اب استنبول کہتے ہیں) کا پایۂ تخت تھا۔''

''گرہ کشایان سلسلۂ سخن وتازہ کنندگانِ فسانۂ کہن،یعنی محرّران رنگین تحریر،ومورخان جادو تقریر نے اشہب جہندۂ قلم کو میدانِ وسیع بیان با کرشمۂ سحر سازی ولطیفہ ہائے حیرت پرداز گرم عنان وجولاں یوں کیا ہے کہ سرزمین ختن میں ایک شہر تھا مینوسواد،بہشت نزاد،پسند خاطر محبوبان جہاں،قابلِ بود وباش خوبانِ زماں،شمیم صفت،اس کی معطر کن دماغ جاں مسکن التہاب قلب واقع خفقاں،زمین اس کی رشکِ چرخ بریں،رفعت وشان چشمک زن بلندی فلک ہفتمیں،گلی کوچہ خجلت دہ گلشن۔آبادی گلزار،بسان تختہ چمن،بازار ہر ایک بے آزار مصفّا ہموار، دوکانیں نفیس،مکان نازک پائدار،خلق خدا با خاطر شاد،اسے فسحت آباد کہتے تھے۔''

ہر تذکرہ نگار اور ناقد نے ''باغ و بہار'' کا ذکر کرتے وقت اس کے طرز بیان کی سادگی،دلکشی،فصاحت اور بلاغت ہی پر گفتگو کی۔میر امّن سادگی،سلاست اور روزمرّہ کے استعمال کے ساتھ ساتھ ''باغ و بہار'' کی ادبیت کو بھی قائم رکھتے ہیں۔اُن کا اسلوب کہیں بھی ''فسانۂ عجائب'' کے اسلوب سے میل کھاتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔یہی میر امّن کی انفرادیت ہے،وہ اپنی انفرادیت کو ابتدا تا آخر برقرار رکھتے ہیں۔میر امّن کا انداز یہ ہے:

''یہ دل میں کہہ کر،چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں بلکہ پانو بھی اُٹھ چکے تھے کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔اتنے میں ہوش آ گیا،دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش،منہ پر نقاب ڈالے،مجھے فرماتا ہے کہ کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے۔خدا کے فضل سے ناامید ہونا کفر ہے۔جب تلک سانس ہے،تب تلک آس ہے۔اب تھوڑے دنوں میں روم کے ملک میں،تین درویش تجھ سا رکے،ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے، تجھ سے ملاقات کریں گے اور وہاں کے بادشاہ کا آزاد بخت نام ہے،اُس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے۔ جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا،تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے،بخوبی حاصل ہوگی۔''

میر امّن کا قصّہ کہیں سے بھی پڑھ لیجیے ان کے اسلوب کی سادگی اور سلاست ہر جگہ یکساں نظر آتی ہے۔ان کی زبان کی لطافت اور حلاوت پڑھنے والے کے دل کو چھوتی چلی جاتی ہے۔میر امن کے بیان میں اس قدر روانی ہے کہ کہیں رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔قصہ خود بخود آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔میر امن کو ہر طبقہ کی زبان اور لہجہ سے اچھی واقفیت تھی۔ وہ کردار کے لحاظ سے زبان کا استعمال کرتے تھے۔عورتوں اور مردوں کی گفتگو کا انداز ہر جگہ مختلف نظر آتا ہے:

''سوداگر بچہ (یعنی بیٹی وزیر کی) اپنی ماں کے پانو پر جا گری اور روئی، اور بولی کہ میں تمہاری جائی ہوں، سنتے ہی وزیر کی بیگم گالیاں دینے لگی کہ اے تتری! تو بڑی شتا ہو نکلی، اپنا منہ تو نے کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا۔ ہم تو تیری جان کو رو پیٹ کر، صبر کر کے تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جا دفع ہو''

''فسانۂ عجائب'' کے طرز بیان نے انیسویں صدی کی نثر کو بہت متاثر کیا۔ ''باغ و بہار'' کی سلاست اور سادگی کی ڈگر سے ہٹ کر لکھی جانے کے باوجود ''فسانۂ عجائب'' کی نثر اپنے عہد میں بہت مقبول ہوئی۔ اسی مقبولیت کے سبب بار بار اس کی طباعت عمل میں آئی۔ ''باغ و بہار'' کو اپنی سادگی اور سلاست کی وجہ سے قبولیت عام نصیب ہوئی تھی اور اس کے جواب میں لکھی گئی ''فسانۂ عجائب'' کی تخلیق کے وقت تک لکھنؤ کے دربار کی آرائش و زیبائش اور پر تکلّفانہ ماحول ختم نہیں ہوا تھا۔ اس پُر تکلفی کے اثرات براہ راست شعر و ادب پر بھی پڑ رہے تھے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی پر تکلف نثر اسی لیے اس دور میں پسند کی گئی۔ وقار عظیم لکھتے ہیں:

''فسانۂ عجائب ایسے طرز میں لکھی گئی جو اس زمانے اور اس خاص ماحول کا پسندیدہ طرز ہے جس میں وہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور طرزِ خاص میں سرورؔ کی شخصیت کا رنگ ہر جگہ چھایا ہوا ہے اور اس نے بہت سے عیبوں کے باوجود اس میں بعض امتیاز پیدا کیے ہیں۔''

''فسانۂ عجائب'' کا امتیاز اس کے اسلوب اور معاشرت کے بیان ہی میں مضمر ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کا طرز بیان ''نوطرز مرصّع'' سے مختلف ہے ''نوطرز مرصّع'' کے انداز میں ابتدا تا آخر تقریباً یکسانیت ہے، یعنی دقیق الفاظ، نامانوس تراکیب، تشبیہات اور استعارات کی بہتات ہر جگہ موجود ہے، اس کے برعکس ''فسانۂ عجائب'' میں عام طور پر ہر باب کے ابتدائی پیراگراف میں سرورؔ مقفّیٰ، مرصّع، مسجّع نثر اور فارسی تراکیب کا استعمال ضرور کرتے ہیں، لیکن تھوڑی دیر میں سادگی کی طرف گامزن ہو جاتے ہیں۔ وہ زیادہ دور اور دیر تک مصنوعی نثر نہیں لکھتے۔ اسے قصہ گو کی خوبی بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ قصے کی ابتدا پُر شکوہ انداز میں کر کے نہ صرف سامعین کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے، بلکہ اپنی علمیت اور لیاقت کا بھی مظاہرہ کرتا ہے، اس کے بعد وہ قصے کو عام فہم زبان دے دیتا ہے تا کہ قصّے میں سامعین کی دلچسپی برقرار رہے وہ زبان کے پیچ و خم میں نہ الجھیں۔

''فسانۂ عجائب'' کے بارے میں عام رائے بنی ہوئی ہے کہ اس کی زبان مشکل ہے اور اس پر فارسیت کا غلبہ ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ بعض مقامات پر تو ضرور ''فسانۂ عجائب'' میں ''نوطرز مرصّع'' کے اثرات دکھائی دیتے ہیں، لیکن اکثر جگہوں پر ''باغ و بہار'' کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ جو کچھ فرق ہے وہ ماحول کے تکلّفات کا ہے جس کے لیے لکھنؤ آج بھی مشہور ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین کا یہ بیان کہ ''عربی فارسی کی افراط، مقفّیٰ و مسجّع فقرے، استعاروں کی نکتہ سنجی، ایہام کی موشگافی، مبالغے کا زور اور اطناب بے جا فسانۂ عجائب کے عناصر ترکیبی ہیں۔'' کچھ زیادہ ہی ناقدانہ ہے، جبکہ ''فسانۂ عجائب'' کی عبارت کا بیشتر حصہ ایسا نہیں ہے۔ قصے میں شاہزادے اور شاہزادیوں کی زبان تو بالکل سادہ اور روزمرہ ہے۔ جان عالم جو مرکزی کردار ہے۔ تمام شان و شوکت اس کے اردگرد ہے، جب بات کرتا ہے تو عام آدمی لگتا ہے، مثلاً:

''شاہزادے نے مسکرا کر کہا ''مصیبت خیلا تجھ پر پڑی ہوگی۔ معلوم ہوا یہاں آفت زدے آتے ہیں، کہو تو تم سب کی کیا کمبختی، ایاموں کی گردش نصیبوں کی سختی ہے، جو چڑیلوں کی طرح ناکام سر شام پھرتی ہو۔''

شاہزادیوں کی گفتگو تو ''باغ و بہار'' کے نسوانی کرداروں سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتی۔ بلکہ مہر نگار جان عالم سے کہتی ہے:

''تم کوئی زور چیز ہو، یکہ و تنہا، ٹٹو نہ گھوڑا، گٹھری نہ بقچہ، ننگا لچّا، وہی مثل ہے۔ رہے جھونپڑے میں، خواب دیکھے محلوں کا، ہر بات میں ٹھنڈی گرمیاں کرتے ہو، جو یہی خوشی ہے تو لو۔''

اور شاہزادی انجمن آرا جو داستان کی ہیروئن ہے، اس انداز سے بات کرتی ہے:

''میری قسمت کمبخت بری ہے، ایک مصیبت سے چھڑا، دوسری آفت میں پھنسایا، ہر دم کے طعنے، اپنے بیگانے کے سننے پڑے کہ یہ آیا مجھے قید سے چھڑایا۔ خدا جانے وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اپنے تئیں شاہزادہ بنایا ہے۔ میں آپ کی لونڈی ہوں، بہر صورت فرمانبردار، اگر کنوئیں میں جھونک دو، چاہ سے گر پڑوں، اُف نہ کروں۔''

''فسانۂ عجائب'' کا اسلوب اپنے اندر ادبیت لیے ہوئے ہے۔ سرورؔ بالکل عامیانہ سطح پر نہیں اترتے، کیونکہ ان کے قارئین کا تعلق سطحی لوگوں سے نہیں ہے، اس عہد کے تعلیم یافتہ طبقہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ ''فسانۂ عجائب'' اس طبقہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ ''باغ و بہار'' دراصل ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو کے لہجہ میں لکھی گئی ہے، اس لیے اس میں کہیں کہیں بہت عامیانہ پن آ گیا ہے، بلکہ ''باغ و بہار'' میں شاہی خواتین بھی کبھی کبھی انتہائی عامیانہ زبان استعمال کرتی ہیں، جو ان کے شایان شان معلوم نہیں ہوتی۔ واقعی وہ ''دلّی کے روڑے'' معلوم ہوتے ہیں، جبکہ ''فسانۂ عجائب'' کی زبان تحریر کی زبان ہے اور جس کی نوکِ پلک بار بار درست ہوتی ہے، اسی لیے اس کے لہجہ میں ایک خاص رکھ رکھاؤ، نفاست اور شائستگی نظر آتی ہے۔ عام طور پر داستان کے نقادوں نے ''فسانۂ عجائب'' کو سرسری طور سے لیا ہے اور ''باغ و بہار'' کی موجودگی میں اس کو فارسی و عربی آمیز غیر مانوس نثر کہہ کر گزر گئے ہیں۔ اس کی ''عظمت کے راز'' کو خامی بتا کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ ادب کی ہر عہد میں دو سطح ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض اور محض تفنّن طبع کے لیے لکھا جاتا ہے، جس کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس طرح کے ادب کی زبان و بیان کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ آج بھی اس طرح کے ہزاروں ناول لکھے جاتے ہیں۔ ادب کی دوسری سطح معیاری ادب کی ہوتی ہے، جس میں مصنف کا مخصوص اسلوب اور فکر شامل ہوتی ہے۔ یہ ابلی ہوئی سبزی کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کی تخلیق میں تخلیقی کرب شامل ہوتا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی تخلیق ایسے ہی تخلیقی کرب کا نتیجہ ہے۔ مصنف نے بار بار اپنی تحریر کو پرکھا اور سنوارا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی نثر سرورؔ کے نزدیک سہل ممتنع ہے۔ بلاشبہ اس عہد میں سہل ممتنع کی یہی صورت رہی ہوگی۔

''باغ و بہار'' اور ''فسانۂ عجائب'' میں دہلی اور لکھنؤ کی معاشرت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ میر امّن کی وابستگی دلّی کی زمین سے تھی۔ وہ عظیم آباد اور کلکتہ میں بھی اپنی زمین سے وابستہ رہے۔ ان کے بیان میں دلّی کے لال قلعہ کا شاہانہ ساز و سامان، شاہزادیوں کے باغات، یہاں کی عالیشان حویلیاں اور چاندنی چوک بھی موجود ہے۔ ''نوطرز مرصّع'' کی طرح ''باغ و بہار'' میں بھی چیزوں اور کھانوں کے نام کی ایک طویل فہرست ہے۔ میر امّن کسی منظر کے بیان کے وقت ہر چیز پر نظر رکھتے ہیں، ان کے بیان میں دلّی کے وزراء اور امراء کی حویلیوں کی آرائش و زیبائش نظر آتی ہے۔ مثلاً:

''اسی حیص بیص میں گھر کے نزدیک پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے، گلہارے میں جھاڑو دے کر چھڑکاؤ کیا ہے، بیسا ول عصےٰ بردار کھڑے ہیں۔ میں حیران ہوا، لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلّف لائق ہر مکان کے جا بجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں۔ پاندان، گلاب پاش، عطردان، پیک دان، چنگیرین، نرگس دان قرینے سے دھرے ہیں۔ طاقوں میں رنگترے، کنولے، نارنگیاں اور

گلابیاں، رنگ بہ رنگ کی چُنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز اَبرک کی ٹٹّیوں میں چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوسیں اوپر دھری ہیں۔''

''فسانۂ عجائب'' میں سرورؔ کی لکھنؤ سے محبت اور وابستگی نظر آتی ہے۔ لکھنؤ کی پوری تصویر تو سرورؔ نے قصے کے آغاز سے قبل ہی ایک باب کی شکل میں پیش کر دی ہے۔ قصے میں جہاں کہیں بھی کسی شہر کا ذکر آیا ہے اس بیان میں بھی لکھنؤ ہی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے زرنگار کا بیان:

''دروازے سے آگے بڑھا، شہر دیکھا، قطع دار، ہموار، قرینے سے بازار، کرسی ہر دکان کی کمر برابر، مکان ایک سے ایک بہتر و برتر، بیچ میں نہر، جابجا فوارے، عمارات شہر پناہ کے میل کے، جواہر نگار سانچے کے ڈھلے، ہاتھ کا کام معلوم نہ ہوتا تھا، نہ کہیں بلندی نہ پستی، ہموار بسی ہوئی بستی، ایک کا جواب دوسری طرف۔ اِدھر بزاز تو اُدھر بھی صراف کے مقابل صراف، بازار کا صحن، نفیس شفاف، جوہری کے روبرو جوہری، زر و جواہر کا ہر سمت ڈھیر، نقد و جنس سے ہر شخص سیر،.....حلوائی، نانبائی، کنجڑے قصائی، سقّوں کے کٹوروں کی جھنکار، میوہ فروشوں کی پکار، دلالوں کی بول چال، جہاں کا اسباب و مال، نہر کی کیفیت جدا، قدِ آدم آب مصفّا، فواروں سے کیوڑہ گلاب اچھلتا، بازار مہک رہا، ہر طرف دھوم دھام خلقت کا اژدہام۔''

10.6 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں

- آپ 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کی خصوصیات سے واقف ہوئے۔
- آپ میرامن اور رجب علی بیگ سرور سے متعارف ہوئے۔
- آپ 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کا اسالیب سے متعارف ہوئے۔
- آپ نے 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' کے اسلوب کا تقابلی مطالعہ کیا۔
- آپ 'باغ و بہار' اور 'فسانۂ عجائب' میں جس معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے اس سے بھی متعارف ہوئے۔

10.7 اپنا امتحان خود لیجیے

1. 'باغ و بہار' کب اور کہاں لکھی گئی؟
2. میرامن کہاں کے رہنے والے تھے؟
3. 'باغ و بہار' میں کتنے درویشوں کے قصے ہیں؟
4. 'فسانۂ عجائب' کب اور کہاں لکھی گئی؟
5. رجب علی بیگ سرور کہاں دفن ہوئے؟

10.8 سوالات کے جوابات

1. 'باغ و بہار' 1803 عیسوی میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں لکھی گئی۔
2. میر امن دہلی کے رہنے والے تھے۔
3. 'باغ و بہار' میں چار درویشوں کے قصے بیان ہوئے ہیں۔
4. 'فسانۂ عجائب' 1824 عیسوی میں کانپور میں لکھی گئی۔
5. رجب علی بیگ سرور بنارس میں دفن ہوئے۔

10.9 فرہنگ

جزئیات	تفصیل، جزوی کی جمع
جمالیات	خوبصورتی
قوت متخیلہ	خیال یا تخیل کی طاقت
مشاہدہ	دیکھنا
متروک	چھوڑا ہوا
طبیب حاذق	حکیم
منجم صادق	نجومی
لاشعور	جہاں عقل نہ پہنچ سکے

10.10 کتب برائے مطالعہ

اردو کی نثری داستانیں	گیان چند جین	اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۸۷ء
اردو زبان اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد	ادارۂ فروغِ اردو، امین آباد، لکھنو
ہماری داستانیں	وقار عظیم	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوتیوالان، نئی دہلی
داستان کی جمالیات (اردو کی نثری داستانیں)	ابن کنول	M.R. Publications New Delhi 2020
اردو داستان: تحقیق و تنقید	قمر الہدی فریدی	علی گڑھ

باغ و بہار (مرتبہ) ابن کنول

فسانۂ عجائب (مرتبہ) ابن کنول

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY